آبادیوں میں مذہبی آزادی کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوئیں۔ مجددین (revivalists) کے ''نجات بذریعہ مسیح'' کے پیغام نے ہزاروں امریکیوں میں گہری شخصی اور پرجوش قبولیت کا جذبہ پیدا کیا۔

اس بیداری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بائبلی تبلیغی جوش و جذبہ (evengelical fervor) نے فرقہ وارانہ حد بندیوں کو مٹا دیا اور کلیسا کے قائم شدہ استحقاق کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔ بیشتر لوگوں کے نزدیک اب مذہب ایک آزادانہ چناؤ کا معاملہ تھا اور گرجا گھر شخصی حکومت (self-government) کے مراکز تھے۔ کلیسا اور ریاست کا اتحاد اب بہت سوں کے خیال میں خود مذہب کے لیے نقصان دہ تھا۔

ورجینیا میں اختلاف رائے کے اس ماحول نے اور جان لیلانڈ بپٹسٹ (John Leland) جیسے مذہبی رہنماؤں کی قیادت نے میڈیسن کو وہ انتہائی اہم حمایت فراہم کی جو اس ریاست میں مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے درکار تھی۔

امریکہ کی مذہبی آزادی کی کہانی میں ورجینیا میں مذہب کی عدم اقامت کی کامیاب جنگ ایک اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب ۱۷۹۱ء میں پہلی ترمیم کی توثیق کی گئی، اس وقت تک (سوائے میری لینڈ کے) دوسری تمام ریاستوں میں اینگلیکن چرچوں کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ نیو انگلینڈ (امریکہ کے شمال مشرقی حصے میں واقع چھ ریاستوں) کے علاقے میں مذہبی ادارے البتہ ذرا زیادہ عرصے تک چلے۔ چنانچہ کنکٹی کٹ میں ۱۸۱۸ء تک اور میساچوسیٹس میں ۱۸۳۳ء تک مذہبی عدم اقامت پر مکمل عمل درآمد کے لیے ریاستی قوانین میں مطلوبہ ترامیم نہیں کی گئی تھیں۔ (ترجمہ: فیضان اللہ خان)

[چارلس سی ہینز وینڈربلٹ یونیورسٹی، ٹینی سی کے فریڈم فورم فرسٹ امینڈمنٹ سنٹر میں اسکالر ہیں۔]

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اسلام

تبصرہ: محمد بصیر الصلاح

مصنف : سلیمان ایس نیا نگ (Sulayman S. Nyang)
کتاب کا نام : Islam in the United States of America
ناشر : شکاگو، قاضی پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء
صفحات : ۱۶۵، قیمت ۱۴٫۹۵ ڈالر

زیر تبصرہ کتاب میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اسلام کے متعارف ہونے اور اس کی ارتقائی نشوونما کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگرچہ اسلام ابراہیمی عقائد میں سب سے کم عمر ہے، لیکن اس وقت یہ دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ دولت مند صنعتی اقوام میں اس کی موجودگی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ جیسا کہ مصنف نے کتاب کے تعارف میں کہا ہے، عیسائیت اور یہودیت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی امریکہ میں اپنا وجود برقرار رکھے گا۔

کولمبس کے ''نئی دنیا'' دریافت کرنے کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں افریقیوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا جہاں سفید آبادکاروں کے زرعی فارموں پر ان سے بیگار لی جاتی تھی۔ غلاموں کی ایک بڑی تعداد مغربی افریقہ کے علاقے سے لائی گئی تھی۔ جہاں اسلام کی جڑیں عرب سے پھیلنے کے بعد گہری اور مضبوطی سے پیوست ہو چکی تھیں۔ کتاب کے پہلے باب میں اس قسم کے معاملات پر بات کرتے ہوئے پروفیسر نیا نگ شمالی امریکہ میں مسلمان افریقی غلاموں کی کہانی اجمال کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ لیکن خود

* Mohammad - Bassiru Sillah, "Islam in the United States of America". /http://www.renaissance. com. pk/janbore.2y1. htm/, (*Courtesy: Stadies in Contemporary Islam,* Fall 1999).

غلامی (جس انداز میں یہ امریکہ میں رائج تھی) کے مزاج اور اس حقیقت کے سبب کہ بچوں کو ان کے غلام بنائے گئے والدین سے جدا کر دیا جاتا تھا، اسلام کی توسیع و اشاعت شمالی امریکہ میں سخت مشکل کا شکار رہی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ ریاست ہائے متحدہ میں غلامی پر عمل درآمد کے نتیجے میں افریقہ کے مسلمان غلام اپنے مذہب پر آزادانہ طور پر عمل درآمد نہیں کر سکتے تھے۔ مذہبی رواداری کے اس فقدان کے سبب بہت سے مسلمان افریقیوں نے مسیحیت کو اختیار کر لیا جو ان کے آقاؤں کا پسندیدہ مذہب تھا۔ اسی دوران میں، جب نئی دنیا میں لائے جانے والے مسلمان غلام مذہبی غیر یقینی اور مخمصے میں مبتلا تھے، جیسا کہ ایڈورڈ بال اپنی کتاب *Slaves in the Family* (1999) میں لکھتا ہے، ''مغربی افریقہ میں اسلام کی ایک اکھڑ'' شکل پر عمل کرنے والے ماہر سوداگروں کے علاقے ''فیوتا جیلن'' (Futa Jallon) میں مسلمانوں کو پکڑ کر بطور غلام فروخت کرنے پر پابندی لگا دی گئی''۔ اسی بات میں مصنف نے بیسویں صدی کے ربع اول کے دوران میں امریکہ میں مسلمان مہاجرین کی ایک کثیر تعداد کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ، جنوبی ایشیا، جنوبی و وسطی یورپ اور وسطی ایشیا سے آنے والے مسلمان شامل تھے۔ کچھ مسلمان مہاجر تو واپس اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے لیکن کئی ایک نے یہاں مستقل قیام کا فیصلہ کیا، اس امید پر کہ وہ ''امریکی خواب'' (American Dream) کی تعبیر میں حصہ لے سکیں گے۔ اسلام کے متعلق امریکیوں کے تصور میں تبدیلی اس وقت آئی جب ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی انقلاب رونما ہوا۔ اس انقلاب کے اثرات ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیے گئے کیونکہ معزول شاہ ایران کے ساتھ امریکہ کے بہت گہرے تعلقات رہے تھے۔

پہلے باب میں اٹھائے گئے بعض نکات دوسرے باب میں زیر بحث آنے والے نکات سے ملتے جلتے ہیں جن میں مصنف سلطنت عثمانیہ کے زوال اور اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والی نئی ریاستوں مثلاً شام، لبنان اور اردن کا ذکر کرتا ہے۔ وہ شمالی امریکہ میں اسلام کو طاقتور بنانے کی غرض سے مختلف اداروں اور تنظیموں کی تعمیر میں مسلمانوں کے کردار پر بھی بحث کرتا ہے۔

باب نمبر ۳ میں امریکہ میں آنے والے مہاجرین کے اختیار کردہ پیشوں کا ذکر ہے۔ جو لوگ انگریزی زبان روانی سے نہیں بول سکتے تھے، انہوں نے تجارت، چھوٹے موٹے کاروبار اور خوردہ فروشی

جیسے پیشے اپنا لیے۔ مسلمان تارکین وطن اور میزبان امریکیوں کے مابین شادی بیاہ نے امریکہ میں اسلام کی توسیع کے لیے راستہ ہموار کیا۔ امریکہ میں، جہاں عیسائیت کا غلبہ ہے، اسلامی اصول واقدار کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے ایک نظام قائم کیا ہے، جسے مصنف ''بین الجماعتی امداد باہمی'' (Intergroup cooperations) کا نام دیتا ہے۔ لیکن رقص، شراب نوشی اور امریکی سٹائل کی ڈیٹنگ (dating) جیسی سماجی سرگرمیوں کو امریکہ کے مسلم گھرانوں میں پھلنے پھولنے نہیں دیا گیا۔

چوتھے باب میں نیا نگ قاری پر انکشاف کرتا ہے کہ سیاہ افریقی باشندے نئی دنیا میں کرسٹوفر کولمبس سے بھی پہلے آ چکے تھے لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی اضافہ کر دیتا ہے کہ اس قسم کے دعووں کی تصدیق کے لیے ابھی تک معقول شہادت نہیں مل سکی ہے، تاہم اس ضمن میں اولین مآخذ ایوان وان سرٹیما (Ivan Van Sertima) اور باسل ڈیوڈسن (Basil Davidson) جیسے معتبر مقالہ نگاروں نے مہیا کیے تھے۔ صدر لنڈن جانسن کے ''ترک وطن کے اصلاحی قوانین'' (Immigration Reform Laws) کا حوالہ دیتے ہوئے، جن کے سبب ریاست ہائے متحدہ میں مسلم تارکین وطن کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا، مصنف چند دلچسپ نکات اٹھاتا ہے۔ سرد جنگ کے دوران میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین دونوں ترقی پذیر ممالک پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ سوویت یونین نے جب ترقی پذیر ممالک کے طلبہ کے لیے اپنے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے دروازے کھول دیے تو اس کے جواب میں امریکہ نے بھی اپنی بے پناہ دولت کے بل بوتے پر تعلیمی وظائف فراہم کرنے کے کئی پروگرام شروع کر دیے۔

سرد جنگ کی اس مقابلے بازی سے غریب ملکوں کے مسلمان طالب علموں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ تاہم اس زمانے میں امریکی معاشرے میں اسلام کے کامیاب نفوذ کے باوجود امریکہ میں ''عظیم تر اسلامائزیشن'' کے لیے مسلمانوں کی جانب سے اداروں کی تعمیر کے کام میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس کا سبب مسلمانوں کی فرقہ پرستی اور اس معاملے میں ان کی سوچ اور رویوں میں فرق تھا خواہ آزاد پسند ہوں یا آزاد خیال (لبرل)۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی امت اگرچہ اصولی طور پر ایک جسد واحد ہے لیکن عملاً اس میں تفرقہ اور جدائی کی قوتیں موجود ہیں۔

پانچویں باب میں نیانگ نے امریکہ کے دو مقامی مسلمان طبقوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک علیجاہی (Elijahian) گروپ ہے جو عزت مآب علیجاہ محمد مرحوم کی تعلیمات پر عمل کرنے والے افریقی امریکیوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے ''نیشن آف اسلام'' کی قیادت کرتے ہوئے نسلوں کی مضبوط علیحدگی (rigid separation of races) کی وکالت کی۔ مقامی مسلمانوں کا دوسرا گروپ ویبین گروپ (Webbian group) ہے۔ یہ گروپ ایک گورے امریکی ڈپلومیٹ الیگزنڈر رسل ویب (Alexander Russel Webb) کا پیرو ہے جس نے ۱۸۹۰ء کے عشرے کے آغاز میں منیلا میں امریکی قونصل کے طور پر کام کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ویب ایک ایسے اسلام کا مبلغ تھا جو اس کے خیال میں ''کلر بلائنڈ'' تھا یعنی جسے کسی بھی رنگ کا فرد اختیار کر سکتا تھا۔ اگرچہ اس کے نتیجے میں بعض افریقی امریکیوں نے اسلام قبول بھی کیا تھا تاکہ اس کی تعلیمات کے ذریعے سے اپنی زندگی میں تبدیلی لا سکیں تاہم دوسروں نے اسلام کو سفید نسل پرستی کے خلاف جنگ میں ایک نظریاتی ہتھیار تصور کیا۔

چھٹے باب میں شناخت کے اہم مسئلے پر بحث کی گئی ہے جو ایک زمانے میں شمالی امریکہ کے مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ حقیقت میں، جیسا کہ افریقی سکالر علی اے مزروعی اپنی ''افریقی سیریز'' میں بیان کرتے ہیں: ''یہ جاننے سے کہ میں کون ہوں، عقل و دانش کی ابتدا ہوتی ہے''۔ نیانگ کا کہنا ہے کہ چونکہ اسلام زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے، لہٰذا امریکہ کے مسلمان یہاں اپنی شناخت برقرار رکھنا اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے مسلم طبقات کو امریکہ کی سیاسی زندگی میں ایک متحدہ جزو کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج مسلمان امریکی معاشرے کے مرکزی دھارے کا ایک حصہ ہیں اور فوج تک میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) میں اسلامی پریس کے کردار پر مصنف نے کتاب کے ساتویں باب میں بحث کی ہے۔ جہاں وہ امریکہ میں چھپنے والے اسلامی رسالوں، اخبارات اور حوالہ جاتی مجلّات کا ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ کچھ تصنیفات ناکام ہو گئیں تاہم نئی سے نئی کتابیں مسلسل منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔

آٹھویں باب میں نیانگ نے کینیڈا اور امریکہ میں اسلامی مراکز کی شماریاتی تفصیل بیان کی ہے۔ مثال کے طور پر کینیڈا میں اسلامی مراکز اور مساجد کی تعداد ۲۵۰ اور ریاست ہائے متحدہ میں ۱۰۰۰ سے زائد

ہے۔

ان متاثر کن اعداد و شمار کے باوصف مصنف ان منفی رپورٹوں کے بارے میں اپنے عدم اطمینان کا اظہار کرتا ہے جو امریکی پریس اور الیکٹرانک میڈیا سے جاری ہوتی رہتی ہیں۔ چند غیر مسلم امریکی صحافی، دانشور اور مبلغین یا مذہبی پیشوا اسلام کی اصلیت معلوم کرنے اور اسے سمجھنے پر تیار نہیں ہیں۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید تلخی آ گئی جب ایران میں آیت اللہ خمینی کی زیر قیادت اسلامی انقلاب برپا ہوا۔ میڈیا نے اسلامی بنیاد پرستی کو غلط شکل وصورت میں پیش کیا۔ امریکی دانشور، مبلغین، صحافی اور طلباء ایک اسلامی ریاست اور ایک مسلمان ملک کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ امریکی میڈیا اسلام کو عرب نیشنلزم سے اور جدوجہد آزادی کو دہشت گردی سے خلط ملط کر دیتا ہے۔

کتاب کے آخری ابواب میں مصنف نے ٹیلی ویلج (Tele-Village) کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے آج دنیا بھر کے انسانوں کو پہلے کے مقابلے میں ایک دوسرے کے قریب لانے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے کردار کو اہمیت دی ہے۔ ٹیلی ویلج نے درحقیقت انسانوں کے انحصار باہمی کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ جس نے مسلمانوں اور دوسرے مذہبوں کے پیروکاروں کے لیے مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے زیادہ وقت صرف کرنا زیادہ ضروری بنا دیا ہے۔ امریکہ میں رہنے والے مسلمان جانتے ہیں کہ ان کے مذہب میں حلال کیا ہے اور حرام کیا۔ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے امریکی مسلمان دوسرے اہل کتاب اور دہریوں کے ساتھ امن اور ہم آہنگی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے اس موقف کو اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ غیب (خدا اور اس کے فرشتوں) اور حیات بعد الموت (ابدی زندگی) پر اپنے حتمی ایمان پر کسی قسم کا سمجھوتہ کر لیں گے۔

پروفیسر نیانگ کی کتاب عمدہ طریقے سے لکھی گئی ہے تاہم ان کے مطالعے کی کمزوری جزوی طور پر ان تکراروں سے ظاہر ہوتی ہے جس کا قاری کو بار بار سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکراریں سمجھ میں بھی آتی ہیں کہ یہ کتاب دراصل گزشتہ کئی سالوں کے دوران میں مختلف کانفرنسوں میں پیش کیے گئے کئی مقالات کا مجموعہ ہے۔ کتاب کی خاص بات اس میں پیش کیے گئے وژن کا واضح اور بین ہونا اور اس کے ذریعے دیا گیا پُراثر پیغام ہے۔ کتاب کی تیاری میں حوالہ جات کا عمدہ اہتمام کیا گیا ہے اور متنوع اقسام کے ابتدائی اور